اخلاق حسین قاسمی
مہتمم جامعہ رحیمیہ دہلی

عبدیت کاملہ:
حضورؐ کا منصب خاص

یوں تو خدا تعالیٰ نے اپنے تمام رسولوں کو عبدیت کی صفت سے یاد کیا ہے، لیکن رسولِ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو جس انداز سے عَبْد کہہ کر پکارا ہے وہ انداز یہ بتا رہا ہے کہ صفتِ عبدیت آپؐ کا خصوصی وصف اور ممتاز منصب ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکار کے جتنے اہم مواقع قرآن کریم میں موجود ہیں ان تمام موقعوں پر خداوند عالم نے آپ کو عبدیت کی صفت سے ہی یاد فرمایا ہے۔

(۱) الفرقان یعنی قرآن کریم کے نزول کا ذکر کیا تو عَلٰی عَبْدِہٖ — فرمایا۔

(الفرقان نمبر ۱)

(۲) مقام اسرار و معراج کا ذکر کیا تو — بِعَبْدِہٖ — کہہ کر اس داستانِ حقیقت کو بیان کیا۔ (سورہ اسراء نمبر ۱)

(۳) آیاتِ بیّنات اور معجزات کا ذکر کیا تو — عَلٰی عَبْدِہٖ — فرمایا

(الحدید : ۹)

(۴) آپؐ کی عبادت کا ذکر کیا تو — لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰہِ — فرمایا۔

(الجن : ۱۹)

(۵) معراج کے موقعہ پر جو رازدارانہ ہمکلامی ہوئی اس میں — فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی — فرمایا۔ (النجم ۱۰)

(۶) دشمنوں کے مقابلہ میں اپنی غیبی مدد کا اعلان اسی وصف خاص کے ساتھ کیا۔
— اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ — (الزمر : ۳۶)

رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسی صفتِ عبدیت کے ساتھ اپنی نبوّت کا اقرار کرایا

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی ؒ نے جدید علم کلام کی اپنی مشہور کتاب "آب حیات" میں لکھا ہے کہ عبدیتِ مطلقہ (عبدیتِ کاملہ) حضور اکرم کا منصبِ خاص ہے اور اس منصب میں حضرت عیسٰی علیہ السلام آپؐ کے نائب ہیں۔

حضرت نانوتوی کے اس نظریہ کی روشنی میں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کا گہرا مطالعہ اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ عبدیتِ نبویؐ کا وصف چند حقائق کا اعلان کرتا ہے :

(۱) عبدیت ـــ اخلاقی نقطہ نظر سے آپ کی تواضع اور کسر نفسی کا اظہار ہے

(۲) عبدیت ـــ دینی نقطہ نظر سے تکمیل دین کا اعلان

(۳) عبدیت ـــ سیاسی نقطہ نگاہ سے شورائی خلافت کے آغاز کا اعلان ہے۔

(۴) عبدیت ـــ علاّمہ اقبال کی عارفانہ نکتہ آفرینی میں حضور کے لیے کمال محبوبیت کا اعلان ہے۔

رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عبدیت تواضع اور کسر نفسی کے مفہوم میں آپ کی پوری اخلاقی زندگی میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

اس موقع پر اس کی تفصیل میں نہیں جانا۔

اسی طرح عبدیتِ کاملہ سے تکمیلِ دین کا مفہوم بھی واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ عبدِ کامل یعنی کامل فرمانبردار وہی ہو سکتا ہے جس کے پاس عبادت و عبودیت کے کامل احکام و فرمان موجود ہوں۔

اور آپؐ کے پاس خدا کا آخری اور مکمّل دین موجود تھا جس کی تعمیل نے آپؐ کے اسوہ حسنہ کو انسانوں کے لیے زندگی گذارنے کا مکمّل نمونہ بنا دیا۔

اسی وصفِ خاص کو قرآن کریم نے ـــ اوّل المؤمنین ـــ کے لقب سے پیش کیا ہے۔ اور شاہ عبد القادر صاحب محدّث دہلوی کے ترجمہ کے مطابق اوّلیت سے اوّلیت رتبی (مرتبہ کی اوّلیت و فضیلت) کی طرف اشارہ ہے۔

دوسرے علمائے تفسیر نے اوّلیت سے اوّلیتِ زمانی مراد لی ہے۔

عبدیت کی مذکورہ چار تفسیروں میں بعد کی دو تفسیریں زیادہ غور طلب ہیں۔ آیئے

ان پر غور کریں ۔

عبدیت کا سیاسی پہلو

عبدیت سے سیاسی نظام اسلامی کی شورائیت پر استدلال مشہور فلسفی مفسّر امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) نے کیا اور پھر امام کے بعد حافظ ابنِ کثیر دمشقی (متوفی ۷۷۴ھ) نے اس کی مزید وضاحت کی ۔ اس استدلال کی بنیاد حضرت سلیمان علیہ السّلام کی مشہور دعا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اس دعا کی قبولیت کے الفاظ ربّانی ہیں :

حضرت سلیمان کی دعا یہ ہے :-

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

(ترجمہ) اے پروردگار! معاف فرما، مجھے ایسی سلطنت دے جو میرے بعد (یا میرے سوا) کسی کے لائق نہ ہو ۔ بے شک تو اصل داتا ہے ۔

حضرت سلیمان کی یہ دعا اس شکل میں قبول ہوئی کہ ہوائیں اور جنّات ان کے تابعِ فرمان کر دیئے گئے ۔

پھر اس عظیم سلطنت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت حق تعالیٰ نے سلیمان علیہ السّلام سے فرمایا :

هٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ

(ترجمہ) یہ ہماری خاص عطاء و انعام ہے ۔ اے سلیمان ! اسے دو یا روک کر رکھو، تم پر کوئی گرفت نہیں ۔

محقق ابنِ کثیر نے اس کی تفسیر میں یہ عبارت تحریر کی ،

ای هٰذا الذی اعطیناك من الملك التام والسلطان الكامل كما سألتنا فاعط من شئت واحرم من شئت فهو صواب .

(ترجمہ) اے سلیمان ! یہ مکمل اقتدار اور کامل سلطنت ہم نے تم کو عطا کی جیسا کہ تم نے سوال کیا تھا ۔ پس جس کو چاہو دو، جس کو چاہو محروم کر دو، تم پر کوئی دار و گیر نہیں ، یعنی تم جو بھی کرو، وہ تمہارے لئے جائز ہے اور تم جو فیصلہ کرو وہ درست ہے

اس کے بعد صحیحین کی حدیث نقل کرتے ہیں ۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما خیر بین ان یکون عبدا رسولا وھو الذی یفعل ما لبعد بہ وانما ھو قاسم یقسم بین الناس کما امرہ اللہ تعالی بہ وبین ان یکون نبیاً ملکاً یعطی من یشا ویمنع من یشا بلا حساب ولا جناح (ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۳۹)

ترجمہ) خدا تعالیٰ نے حضورؐ کو اختیار دیا کہ وہ عبد رسول کا مقام اختیار کریں یا عبد ملک کا عبد رسول وہ ہے جو حکم الٰہی کے مطابق چلے اور لوگوں کے درمیان ـــــ علم و دولت ـــــ تقسیم کرے، حکم الٰہی کے مطابق ۔ عبد ملک وہ ہے جو جس کو چاہے دے اور جسے چاہے نہ دے اس پر نہ کوئی حساب کتاب ہے اور نہ دار و گیر ہے ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا منصب اختیار کر لیا ۔

اس کے بعد ابن کثیر فیصلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

پہلا مقام ـــــ عبدیت والی رسالت ـــــ خدا کے نزدیک ارفع و اعلیٰ ہے اگرچہ دوسرا مقام ـــــ ملوکیت والی رسالت ـــــ بھی دنیا اور آخرت میں عظیم المرتبت ہے ـــــ

علامہ ابن کثیر نے یہ بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مختار بادشاہی کے مقابلہ میں نیابت الٰہیہ کا منصب اختیار کیا ۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ تھے، حکم الٰہی کے تحت آپ اپنے رفقا سے مشورہ لینے کے لئے مامور تھے ـــــ وشاورھم فی الامر ـــــ

مشورہ اور شوریٰ کی اہمیت قرآن کریم کی تعلیمات کی خصوصیات میں داخل ہے، کسی آسمانی کتاب میں اس کی اہمیت موجود نہیں ۔ اور نہ کسی پیغمبر کی زندگی کے واقعات میں مشورہ کی اتنی اہمیت نظر آتی ہے ـــــ

اس تفسیر پر اشکال

علامہ ابن کثیر اور امام رازی کی اس تفسیر پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا اور اس کے جواب سے تو کیا از خود مختاری کا جواز ـــ بلکہ فضیلت بھی ـــ ثابت ہوتی ہے ۔ حالانکہ دین توحید

—— جو تمام رسولوں کا دین تھا —— کسی انسان کی خود مختاری کو اور با اختیار ملوکیت کے تصوّر کو توحید کے منافی قرار دیتا ہے۔

اس دنیا میں ہر انسان، خواہ وہ حکمران ہو یا ایک عام آدمی —— مالک حقیقی کی عطا کی ہوئی دولت علم و زر کا امین ہے۔ نگران ہے، مالک نہیں۔

ملکیت کا تصور —— قارونی تصور ہے جو اس نے حضرت موسٰی کے مقابلہ میں پیش کیا تھا۔ اَحسن کما احسن اللّٰہ علیک —— کے جواب میں کہتا ہے —— انما اوتیتہٗ علی علم عندی —— یہ دولت و اقتدار میرے علم و ہنر کا ثمرہ ہے۔ کسی کا احسان نہیں ہے۔

رسول اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم سے پہلے حضرت آدم سے لے کر حضرت یوسف، طالوت حضرت داؤد و سلیمان —— سب خدا کے مقرر کردہ تھے، روحانی اور اخلاقی رہنمائی اور اجتماعی اور سیاسی قیادت پر مامور کیے گئے تھے۔

حضور علیہ السّلام بھی مالک حقیقی کی طرف سے مامور و مقرر ہوئے۔ چونکہ آپ آخری مامور من اللّٰہ تھے اور آپ کے بعد خدا کی طرف سے تقرر و ماموریت کا سلسلہ ختم ہو رہا تھا۔ اس لیے اب شورٰی کی اہمیت لازمی تھی۔

چنانچہ آپؐ نے اپنے بعد اپنے جانشین کے انتخاب کا معاملہ شورٰی کے سپرد کر دیا۔ کیونکہ آپ کو اپنی طرف سے تقرر کا حق نہیں دیا گیا تھا —— اس طرح اب مکمل معنٰی میں شورٰی کے دور کا آغاز ہوا۔

ان قدمائے مفسّرین کی تشریح کے مطابق بعد کے علماء تفسیر نے بھی اسی کے مطابق تفسیر کی اور یہ اشکال اور زیادہ واضح ہو گیا۔

مولانا اشرف علی تھانوی کے الفاظ یہ ہیں :-

"دوسرے سلاطین مال و دولت کے محض امین و خازن ہوتے ہیں لیکن حضرت سلیمانؑ کو اس مال و دولت کا مالک بنایا گیا۔ (بیان القرآن سورہ ص)

مفتی محمد شفیع صاحب نے معارف القرآن میں اس اشکال کو محسوس کیا اور ان الفاظ میں اس کی وضاحت فرمائی۔

"عام حالات میں سیاسی اقتدار اور مال و دولت کی ایسی طلب کو پسندیدہ نہیں کہا گیا۔

حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے لیکن اگر اقتدار کا مقصد حق کی سربلندی ہو تو یہ دعا مطلوب حق بن جاتی ہے۔" (خلاصہ معارف، جلد ۷ صد ۵۱۹)

مولانا شبیر احمد عثمانی کے ہاں اس کا تسلی بخش جواب ملتا ہے۔ مولانا نے لکھا:

"حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ جابر بادشاہوں کا زمانہ تھا۔ آپ نے دینِ حق کی سربلندی کے لیے یہ معجزہ طلب کیا اور ایسی حکومت کی دعا کی جو جابر بادشاہوں کا سرِ غرور جھکا دے ——— اور ایسا ہی ہوا۔" (حمائل ۵۱۱)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی نے اپنے مختصر تفسیری حاشیہ میں اس اشکال کو دور کرنے کے لیے یہ لکھا:

"[illegible] اور مختار کر دیا، معاف کر کر، لیکن وہ کھاتے تھے اپنی ہاتھ کی محنت سے ٹوکری بنا کر۔" (سر ۳۹ پر آیت پر حاشیہ)

شاہ صاحب نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہر معجزہ [illegible] آزمائش بھی ہوتا ہے ـــ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے خوش حالی کے فتنہ اور تموّل کی آزمائش سے بچنے کے لیے ایک مزدور بندہ کی طرح ذاتی زندگی گذاری۔

آپ فرمایا کرتے تھے: هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ـــــ یہ میرے رب کا فضل و کرم ہے۔ وہ مجھے آزمانا چاہتا ہے کہ میں شکر گزاری کی زندگی گذارتا ہوں یا ناشکری کی زندگی ـــــ

مودودی صاحب کی تاویل

بہرحال اب زیرِ غور مسئلہ کی طرف آئیے ـــــ زیرِ غور آیات کی جو تفسیر جمہور مفسرین نے کی ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی اس سے مطمئن نظر نہیں آتے۔

مودودی صاحب نے دعا سلیمان کی جو تاویل کی وہ حسب ذیل ہے:

ان کے دل میں (حضرت سلیمان کے) غالباً یہ خواہش تھی کہ ان کے بعد ان کا بیٹا جانشین ہو اور حکومت انہی کی نسل میں رہے ـــــ لیکن جس بیٹے کو وہ اپنی کرسی پر بٹھانا چاہتے تھے وہ کندہ ناتراش تھا ـــــ جس کا نام رجعام تھا۔ تب انہوں نے اس خواہش سے رجوع کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا [illegible] کہ یہ بادشاہی مجھی پر ختم ہو جائے۔ میں اپنے بعد اپنی نسل میں

بادشاہی ہماری رہنے کی تمنا سے باز آیا ۔ (مختصر تفہیم القرآن ۸۴۷)

آئیے اس تاویل کا تجزیہ کریں ۔

(۱) سب سے پہلے قرآنی الفاظ اور سیاق و سباق لیجئے

قرآن کریم میں لا احد من بعدی کے الفاظ عام ہیں اگر حضرت سلیمان اپنے بیٹے کے لیے یہ دعا — جو درحقیقت بددعا ہے — کرنا چاہتے تھے تو اس کا جواب واضح طور پر یہ ہوتا کہ اے سلیمان! ہم نے تمہاری دعا قبول کی اور یہ عظیم سلطنت تم پر ہی ختم ہو جائیگی

لیکن قرآن کریم کا جواب دوسرا ہے — ھذا عطاؤنا ..... الخ

اللہ تعالےٰ نے وہ دعا سلیمان کی زندگی میں ہی قبول فرمائی — اور اسے اپنا خاص عطیہ قرار دیا ۔

(۲) حدیث صحیح میں آتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کو گرفتار کرنے سے گریز کیا، جبکہ وہ ایک رات حضورؐ کی نماز میں خلل ڈالنے کی کوشش کرنے لگا ۔ صبح اٹھ کر آپؐ نے فرمایا

رات کو ایسا واقعہ پیش آیا، میں شیطان کو پکڑ کر باندھ دیتا مگر مجھے اپنے بھائی
سلیمان کی دعا — رب ھب لی ملکاً ....الخ — یاد آگئی ۔
فذکرت دعوۃ اخی سلیمان — اور میں نے شیطان کو چھوڑ دیا ۔

(بخاری کتاب الانبیاء)

حضورؐ کا مطلب یہ تھا کہ جنات اور شیاطین پر قدرت، یہ حضرت سلیمان کی خاص فضیلت تھی ۔ جس کی انہوں نے اس دعا میں طلب کی تھی ۔ میں بطور معجزہ شیطان کو پکڑ سکتا تھا لیکن لوگوں کو میرے اس جزوی واقعہ سے غلط فہمی پیدا ہوتی، اس لئے میں نے ایسا نہیں کیا ۔ — اس سے دعا سلیمان کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت سلیمان زندگی میں ایک مثالی اقتدار کے طالب ہوئے —

مودودی صاحب نے بائبل کے حوالے سے یہ تاویل کی ہے ۔ لیکن توراۃ میں اس کی
تصریح موجود ہے کہ حضرت سلیمان کے بعد ان کا بیٹا جانشین ہوا ۔

"سلاطین میں ہے کہ سلیمان نے یروشلم پر حکومت کی چالیس برس کی تھی اور سلیمان اپنے [illegible] دادا کے ساتھ سو رہا اور ان کے شہر صیہون میں گاڑ دیا گیا اور اس کا بیٹا

اجتام اس کی جگہ بادشاہ ہوا۔"

(قصص القرآن جلد ۴ صفحہ ۲۷ بحوالہ سلاطین باب ، آیات ۲۴ - ۴۲)

اللہ غریق رحمت کرے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کو، مرحوم اس تاویل میں بہت آگے نکل گئے۔ لیکن جہاں تک اس تاویل کے منشاء و محرک کا سوال ہے تو وہ نہایت پاکیزہ ہے اور وہ عقیدۂ توحید کی حفاظت کا جذبہ ہے۔

ایک خالص توحیدی ذوق پر یہ تصوّر گراں گذرتا ہے کہ ایک داعیٔ توحید نبی و رسول اپنے لیے ملوکانہ اقتدار کا سوال کرے اور خدا تعالیٰ اسے وہ عطا بھی فرما دے۔

مودودی صاحب کے ذوق نے معجزہ کے طور پر بھی اسے تسلیم نہیں کیا۔

[illegible] ی کہنا چاہیے ——

یہ بحث ہمیں رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں بھی ملتی ہے۔ آپؐ کے لئے قرآن کریم نے کہا —— النبی اولی بالمومنین من انفسھم (احزاب ۶)۔ اس آیت میں اہل ایمان کی جانوں پر رسول پاکؐ کی ولایت کا اعلان کیا گیا ہے۔

شاہ ولی اللہ نے اولیٰ کا ترجمہ متصرّف کیا ہے —— پھر اس مفہوم کی بنیاد پر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے آبِ حیات میں حضوؐر کی مالکیت کا مستقل فلسفہ مرتّب کیا اور آپؐ کے لیے دوسرے درجہ کی مالکیت کی اصطلاح وضع کی اور پھر یہی تصوّر زیادہ پھیل کر ایک طبقہ کے ہاں حضورؐ کے مالک و مختار ہونے کے عقیدہ میں ڈھل گیا۔

لیکن شاہ ولی اللہ صاحب کے دوسرے صاحبزادوں نے ابہام شرک سے آیت کے مفہوم کو بچانے کے لئے۔ متصرّف کے لفظ سے گریز کیا،

شاہ رفیع الدین صاحب نے اولی کا ترجمہ شفقت (محبت) کیا اور شاہ عبدالقادر صاحب نے —— لگاؤ —— ترجمہ کیا۔

لغت عربی میں ولادیت کا یہ مفہوم بھی آتا ہے ——

شاہ عبدالقادر صاحب نے تفسیری حاشیہ میں اپنے والد کے لفظ متصرف کا مطلب واضح کرتے ہوئے لکھا ——

"نبی نائب ہے اللہ کا ، اپنی جان و مال میں اپنا تصرّف نہیں چلتا، جتنا نبی کا کا چلتا ہے۔"

یعنی نبی کا تصرّف نائب خدا کی حیثیت سے ہے اور نائب کا تصرّف مالکِ حقیقی ہی کا تصرّف ہوتا ہے۔ اسی کے حکم کے تحت ہوتا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے اولیٰ کا تیسرا مفہوم اختیار کیا اور اولیٰ کا ترجمہ کیا۔ مقدم ہے کا لفظ لکھا —— اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے تھانوی صاحب کی پیروی اختیار کی اور لفظ مقدّم کے مطابق ترجمہ کیا۔

عبدیتِ رسولؐ، علامہ اقبال کے ہاں !!

علامہ اقبالؒ نے عبدیتِ رسولؐ کی تشریح ایک عارفانہ پیرایہ میں کی ہے، فرماتے ہیں:

عبدہ دیگر عبدہ چیزے دگر ما سراپا انتظار، او منتظر !!

شارح اقبالیات نے اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ ہماری عبدیت یہ ہے کہ ہم سراپا طلب ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا مطلوب ہیں۔

علامہ نے شرعیت کی ایک نازک اصطلاح کو عشق و محبت کی جس تعبیر میں بیان کیا ہے اس پر بڑی دلچسپ بحث چھڑ سکتی ہے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت علی اور حضرت عمر کے درمیان کون افضل ہے۔ شاہ صاحب بڑے حاضر جواب اور ذہین تھے۔ آپ نے عشق اور نقش —— دونوں قسم کی دلیلوں سے دامن بچا کر محبت کی اصطلاح میں جواب دیا۔ اور فرمایا:

"حضرت علی مرید تھے اور حضرت عمر مراد تھے"

یعنی حضرت علی طالب تھے خود حق کی طرف آئے اور حضرت عمر مطلوب تھے انہیں حق کی طرف لایا گیا۔

شاہ صاحب نے اس دعا کی طرف اشارہ کیا جس میں رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے اسلام قبول کرنے کی دعا کی تھی۔

شاہ صاحب کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے حضرت عمرؓ کی فضیلت حضرت علی پر بیان فرمائی۔

شاہ صاحب نے تصوف کی جس اصطلاح میں جواب دیا اسی اصطلاح کے مطابق شاہ صاحب کے جواب پر تنقید کی گئی ہے ۔

طریقت و محبت کی دنیا کے امام مولانا جلال الدین رومی ہیں ۔ مولانا نے مثنوی میں مرید و مراد اور طالب و مطلوب کے باطنی رشتہ کی گرہ کشائی کرتے ہوئے فرمایا :

ہیچ عاشق خود نباشد وصل جو   کہ نہ معشوقش بود جویائے او
میلِ معشوقاں نہانست و ستیر   میلِ عاشق باد و صد طبل و نفیر

کوئی عاشق وصل کی جستجو اسی وقت کرتا ہے جب معشوق کے اندر جستجو پیدا ہوتی ہے ۔ فرق اتنا ہے کہ معشوق کی طلب پوشیدہ ہوتی ہے اور عاشق کی طلب غل شور مچاتی ہوئی آتی ہے

اردو کے سب سے پہلے شاعر ولی دکنی نے عشق و حسن کے باطنی رشتہ کا ان لفظوں میں اظہار کیا ہے ۔ ولی کہتا ہے :

عشق بے تابِ جاں گدازی ہے   حُسن مشتاق دل نوازی ہے ـــ !

دلی کے صوفی مزاج شاعر مخمور دہلوی نے نہایت سادہ زبان اور عام فہم پیرایہ میں کہا ہے ۔

میری طلب بھی انہی کے کرم کا صدقہ ہے   یہ آگ لگتی نہیں ہے ، لگائی جاتی ہے

حیدر دہلوی جو اب کراچی میں آسودۂ رحمت ہیں فرماتے ہیں اور اپنے خاص البیلے انداز میں فرماتے ہیں ؂

جمالِ خود بیں تو دیکھ اپنا جنونِ الفت سے اڑنے والے
میرا گریباں پھٹا ہوا ہے یہ پھٹ پڑا ہے شباب تیرا !

اب فیصلہ کیجیے کہ طالب و مطلوب میں کیا فرق رہا ۔ مرید اور مراد میں کسے افضل کہا جائے ؟

علامہ اقبال تو ایک عارفانہ نکتہ بیان کر کے چلے گئے لیکن مسئلہ وہیں کا وہیں رہا ۔ اصحابِ شریعت نے عبدیتِ رسولؐ کی جو تشریح کی وہ ہر طرح کے ردّ و قدح سے پاک ہے ۔

لفظ عبد کے ترجمہ میں احتیاط

جب یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے عبد کا لفظ بطور اصطلاح ایک خاص مفہوم میں بولا گیا ہے تو ضروری ہوا کہ اس لفظ کے ترجمہ میں اس کا لحاظ رکھا جائے۔ اہلِ تراجم خواہ فارسی والے ہوں یا اردو والے اس حقیقت کو سمجھتے ہیں اور اسی لئے اس لفظ کا ترجمہ "بندہ" کرتے ہیں "غلام" نہیں کرتے۔

بندہ فارسی کا لفظ ہے۔ فارسی میں بندگی کے دو معنیٰ آتے ہیں، کامل فرماں برداری اور غلامی ــــ اہلِ تراجم نے پہلے مفہوم میں عبد کا ترجمہ بندہ کیا۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے عبد سے عبد کامل، فرد کامل مراد لے کر اس لفظ کا ترجمہ "بندۂ خاص" کیا ہے اور یہ بہت[1] اچھا ترجمہ ہے۔ جس میں مولانا تھانوی منفرد نظر آتے ہیں

اَلرَّسُول بھی اصطلاحی لفظ ہے

قرآن کریم نے عبد کی طرح رسول پاک کے لئے "الرسول" کا لفظ بھی لغوی معنیٰ میں استعمال نہیں کیا بلکہ اصطلاحی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

قرآن کریم نے الرسول کا لفظ جس جامع مفہوم میں استعمال کیا ہے وہ یہ ہے:

(۱) زبان سے خدا کا پیغام سنانے والا۔ یہ تبلیغ ہے (المائدہ ۶۷)

(۲) اپنے عمل و فعل سے سمجھانے اور یقین دلانے والا، یہ شہادت ہے (الحج ۷۸)

(۳) خدا کے پیغام کی تشریح اور تفسیر کرنے والا، اسے تبیین کہتے ہیں (النحل ۴۴)

غور کیجئے!

کسی عجمی زبان میں الرسول کے اصطلاحی لفظ کا ترجمہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اہلِ تراجم میں شاہ عبدالقادر صاحب محدّث دہلوی نے الرسول کا ترجمہ کسی فارسی، اردو یا عربی لفظ سے نہیں کیا ـــــــ یہ شاہ صاحب کی الہامی اور وہبی قرآن فہمی کا کمال ہے

(باقی صفحہ ۵۹ پر)

---

[1] عبد کی چھ آیتوں میں سے پانچ آیتوں میں بندۂ خاص لکھا۔ صرف ایک آیت (اسراء) میں اس کا خیال نہیں رہا